سلسلہ یادگار مولانا اشہری صاحب مرحوم نمبر ۲

ہادیٔ اسلام

از

مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مرحوم

باہتمام خواجہ صدیق حسین

آگرہ اخبار پریس آگرہ میں چھپا

بار اول

مجلد - بلا جلد

حیاتِ انیسؔ

اُردو کی دُنیا میں چند شاعر ایسے پیدا ہوئے ہیں
جن کے نام اِس زبان کے بقا تک قایم رہیں گے
منجملہ اِن کے ایک حضرت انیس نور اللہ مرقدہٗ بھی
ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میر صاحب کی سوانح،
اُنکی شاعری کے محاسن اور دوسری زبان کے
شاعروں سے اُن کے کلام کا مقابلہ ایک جگہہ دیکھیں
تو ہم سے ایک جلد "حیاتِ انیس" کی منگا کر
ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کتاب ایک دوسرے غیر فانی شاعر حضرت مولانا
اشہری صاحب مرحوم کی جان کاہیوں کا نتیجہ ہے اور تعلیم یافتہ گروہ
میں خاص طور پر وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔

قیمت دو روپئے

نذر

بحضور

اعلحضرت فخرالدولہ نواب افتخار علی خاں بہادر صولت جنگ
دام برکاتہا

والی ریاست جاورہ

حضور والا!

ہمارے سرکار حضور سرورکائنات فخر موجودات نے ارشاد فرمایا ہے

من لم یشکر الناس لا یشکر اللہ

اس حدیث کی تعمیل میں اگر میں بھی حضور کی اُس مہربانی کا شکریہ ادا کردوں جو میرے مرحوم والد جناب قبلہ مولانا اشہری صاحب کی علالت کا حال سن کر حضور نے مجھ پر فرمائی تھی اور جس کے ذریعہ سے حضرت مرحوم کے یادگاری سلسلہ کی پہلی کتاب "درشاہوار" شایع ہوئی ہے۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ جو کتاب میں حضور کی نذر کرتا ہوں وہ ہمارے سرکار حضرت رسول کریم کے سوانح زندگانی سے مملو اور قبلہ وکعبہ کی آخری علمی خدمت ہے۔

اس کتاب کو پیش کرتے ہوئے میں حضور کی ترقی عمر و اقبال کی دعا کرتا ہوں۔

حضور کا خادم سید منظر علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضورؐ سرورِ کائنات فخرِ موجودات کے متعلق تیرہ سو سال کے اندر عربی فارسی اردو، انگریزی، فرانسیسی، ترکی اور یورپ، ایشیا اور افریقہ کی دوسری زبانوں میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں جن کی خاص تعداد نہیں بتائی جا سکتی۔ فلاسفہ یورپ نے حضرت کے حالات، اقوال اور آپ کی شریعت سے نئی نئی روشنیاں پیدا کی ہیں اور عربی نے تو آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو لکھ ڈالا ہے یہ سب چیزیں امت مرحومہ کو طریقہ نبویؐ کی جانب رہنمائی کرتی ہیں۔

اردو میں اگرچہ "ہادی الاسلام" بقامت کہتر کہی جا سکتی ہے لیکن جناب قبلہ مولانا شہری صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) نے اسے صرف اس غرض سے مرتب فرمایا ہے کہ مسلمان اور وہ لوگ جنہیں آفتاب رسالت کی کماحقہ روشنی نہیں پہونچی ہے اس کتاب سے مستفید ہوں۔

"سلسلہ یادگار شہری" میں اگرچہ یہ کتاب دوسری ہے لیکن حضرت مرحوم کی تصنیفات کا نام لیتے ہوئے اسے پہلی کہنا چاہیے۔ اور اب میں نے یہ قصد کر لیا ہے کہ اس سلسلہ میں ایک معتد بہ حصہ حضرت مرحوم ہی کی جان کاہیوں کا ہو۔

کتاب کے متعلق تمہید میں مجھے جو کچھ عرض کرنا چاہیے تھا وہ حضرت

مرحوم نے اپنے دیباچہ میں فرما دیا ہے میں اُس
سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت
نہیں سمجھتا۔

سیّد منظر علی

بنارس یکم فروری [illegible]ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبل اس کے کہ حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ الطیبین الطاہرین کے حالات زندگی معرض تحریر میں لائے جائیں اس وقت کی دنیا کا حال اجمالاً بتا دینا ضروری ہے جب کہ ہر حصہ میں کفر و شرک اور نفاق و الحاد کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں اور ہر مذہب اپنی روشنی سے نکل کر کفر و شرک کا ظلمت کدہ بن رہا تھا خصوصاً یہودی اور عیسائی حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہما السلام کی روحانی ہدایتوں سے دور پوپ روم اور راہبوں کے خانہ ساز طرز عمل سے نہایت ہی خراب حالت میں تھے۔ توحید معاد اور حشر و نشر کا بیان فطری تخیل کے طور پر بعض شاعروں کی زبان پر آجاتا تھا لیکن جیسے کسی شہر کے بازار میں ایک مطلب کے دو چار شعر پڑھنے سے کوئی مہتم بالشان اثر نمایاں نہیں ہوتا ویسے ہی سوق عکاظ وغیرہ میں ان شاعروں کے شاعرانہ خیالات کوئی با اثر نتیجہ نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ جیسے اندھیری رات کو سورج نکلنے تک دو چار ستارے روشن نہیں کر سکتے اور چند ذروں سے پہاڑ نہیں بن سکتا ویسے ہی دنیا کو چند ذروں یا ستاروں کے بدلے ایک آفتاب عالم تاب کی ضرورت تھی جو سرزمین عرب سے طلوع ہوا۔

خدا کا قانون فطرت ابتدائے آفرینش آدم سے جاری ہے کہ جب ہماری مادی تاریکیاں من حیث المجموع حد سے بڑھ جائیں تو وہ ایک روحانی روشنی سے ظلمت کدۂ آفاق کو منور کرے۔ تمام انبیائے سلف اسی منشا کو پورا کرنے کو مبعوث ہوئے ہیں۔ انسان ہر زمانہ سے رحمانی قدرت اور شیطانی خصلت میں ایک متضاد کیفیت محسوس کرتا ہے شیطان طرح طرح کے لباسوں میں سیکڑوں قسم کی برائیوں، شرارتوں، گمراہیوں اور مکاریوں کو خود نمائی سے جلوہ گر کرتا ہے۔ جب دنیا کا ایک حصۂ کثیر ایسی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو خدا کی رحمانی طاقتیں اپنے بندوں کو اُس کے دام فریب سے نکالنے کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور ان رحمانی طاقتوں کا اثر انبیاء، اوصیاء، اولیاء اور علما کے ذرایع سے ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ جب رحمتِ مطلق، ہادی برحق، شفیع المذنبین، رحمت العالمین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کا زمانہ آیا اُس وقت دنیا اس قدر ضلالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی جس کا اندازہ اُس وقت کی تاریخوں سے کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ خدا کی توحید اپنی اصلی حالت پر نہ تھی۔

۲۔ حقیقی تقوے اور پرہیزگاری کو مکر و زور نے گھیر لیا تھا۔

۳۔ ہر مذہب کے پیرو اپنی شریعت کو بھول کر انتہا درجہ کی بداخلاقیوں، بداعمالیوں اور بداعتقادیوں میں مبتلا تھے۔

۴۔ مشرک بت پرستی، پیکر پرستی، آتش پرستی اور ستارہ پرستی میں گرفتار تھے

۵- عیسائی حضرت عیسٰی کی تعلیم توحید چھوڑ کر تثلیث کے بندے ہو رہے تھے۔ اُن کے مذہب کو مذہبی حکمرانوں اور راہبوں نے اپنے جذباتِ نفسانی کے اظہار تک محدود کر رکھا تھا۔

۶- یہود اپنی شقاوتوں اور شرارتوں سے عیسائی روحانیت کے دشمن تھے حضرت عیسٰیؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو طرح طرح کی تہمتوں سے بدنام کرتے تھے، حضرت عیسٰیؑ جیسے برگزیدہ رسول کو صلیب پر چڑھا کر لعنتی موت سے مرا ہوا قرار دیتے تھے اور خود حضرت موسٰیؑ کی شریعت کو فراموش کر بیٹھے تھے۔

۷- عورتوں کے حقوق تلف ہو رہے تھے۔

۸- غلام بھیڑ بکریوں کی طرح دور دور کے ملکوں تک بازاروں میں فروخت کئے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک ہوتا تھا۔

۹- زنا کوئی گناہ و معصیت نہ سمجھا جاتا تھا۔

۱۰- شراب خواری اِس کثرت سے جاری تھی جس کی کوئی حد نہیں۔ شراب پینے سے جو افعال قبیحہ صادر ہوتے تھے اور اس کی بدولت ملک میں جس بڑی حد تک بے غیرتی اور بدچلنی کا رواج بڑھ گیا تھا اُس سے اُس وقت کی تاریخ مملو ہے۔

۱۱- خانہ جنگی، خونریزی اور جدال و قتال کی آگ دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لوٹ لینا، مار ڈالنا گویا معمولی بات تھی۔

۱۲- لڑکے زندہ رکھے جاتے تھے اور لڑکیاں ہلاک کرڈالی جاتی تھیں
۱۳- امن وامان کی کوئی طاقت کفیل وضامن نہ تھی اور سارا ملک آماجگاہ بدامنی ہورہا تھا۔

غرض اسی طرح کی سیکڑوں باتیں قتل وخصومت، عناد وفساد اور گناہ ومعصیت کا ذریعہ بن رہی تھیں۔ ایسی حالت میں خدا کے قانون کو ایک زبردست طاقت کے ذریعہ سے اُسکی اصلاح ضروری تھی چنانچہ اُس نے سرزمین مکہ سے ایک اخلاق مجسم اور انسان مکمل کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور آپنے یہ خیالات ظاہر فرمائے:-

۱- پچھلے سب انبیاء مرسل سچے پیغمبر ہیں، جن کی تعظیم سب پر فرض ہے
۲- ہر پیغمبر کی شریعت اصول متحدہ کے موافق ہے، جس کا اعلیٰ مقصد توحید ہے۔ لیکن موجودہ قومیں اُن انبیاء کی تعلیم سے علاحدہ ہوکر اُن شریعتوں سے دور جا پڑی ہیں اس لئے میں شریعت اسلام کے ذریعہ سے اُن سب کی اصلاح کو آیا ہوں۔

خداوند کریم سے آنحضرتؐ کو ایک مکمل قانون عطا ہوا کہ اس کے موافق تبلیغ اسلام فرمائیں۔ یہ قانون قرآن مجید ہے۔ آنحضرت نے حسب ارشاد باری خانہ کعبہ کو سمت قبلہ ٹھہرا کر دین ابراہیمؑ کو از سر نو زندہ فرمایا۔ خانہ کعبہ سنہ ہجری سے دو ہزار سات سو تہتر سال پیشتر بنایا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ، اُن کے بیٹے حضرت اسمعیلؑ، اُن کے بیٹے ثابت، اُن کے بیٹے یشحب، اُن کے بیٹے یعرب، اُن کے بیٹے بعوم، اُن کے بیٹے ناحور، اُن کے بیٹے اوبن، اُن کے بیٹے عدنان، اُن کے بیٹے معد، اُن کے بیٹے نزار، اُن کے بیٹے مضر، اُن کے بیٹے الیاس، اُن کے بیٹے مدرکہ۔ اُن کے بیٹے خزلیمہ، اُن کے بیٹے کنانہ، اُن کے بیٹے نضر، اُن کے بیٹے مالک، اُن کے بیٹے فہر، اُن کے بیٹے غالب، اُن کے بیٹے لوے، اُن کے بیٹے کعب، اُن کے بیٹے مرہ، اُن کے بیٹے کلاب، اور اُن کے بیٹے

قصئی

عبد مناف

ہاشم

عبدالمطلب

حضرت ابوطالب | حضرت عبداللہ
حضرت علی مرتضیٰ | حضور سرور کائنات

ہاشمی خاندان کے اعزاز کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ قصئے ایک معزز شخص نے جو پانچویں صدی عیسوی میں گزرے ہیں مکہ معظمہ کی دینی اور دنیاوی حکومت حاصل کی۔ اور قوم کے مختلف قبائل کو جو مکہ سے دور رہتے تھے کعبہ کے ارد گرد مکان بنانے اور سکونت کرنے کی ترغیب دی۔ اور کعبہ کے متعلق پانچ بڑی خدمتیں تجویز کیں جو حسب ذیل ہیں

۱۔ سقایۃ ورفادۃ۔ یعنی حاجیوں کو پانی اور کھانا دینے کا عہدہ۔
۲۔ لوا۔ یعنی علم بردار ہونے کا عہدہ۔
۳۔ حجاب۔ یعنی کعبہ کی حفاظت کا عہدہ۔
۴۔ قیادۃ۔ یعنی لڑائی کے وقت فوج کی سپہ سالاری
۵۔ دارالندوہ۔ یعنی (کونسل ہال میں) صدارت کا استحقاق۔

یہ تمام عہدہ قصئے کی ذات میں جمع تھے اور وہ قوم کے بادشاہ اور مذہبی پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ قصئے کی وفات ۴۸۰ء میں ہوئی اور

اُن کے بعد عبدالدار کو اُن کی جانشینی ملی۔ عبدالدار کے مرنے پر اس کے پوتوں اور اُس کے بھائی عبد مناف کے بیٹوں میں سخت تنازعات پیدا ہوئے اور آخر کو مصالحت ہو کر کعبہ کے خدمات اس طرح تقسیم ہوئے:۔

۱۔ سقایت اور رفادۃ عبد الشمس بن عبد مناف کو سپرد ہوئی۔

۲۔ حجابت، ندوہ اور لوا عبدالدار کی اولاد میں رہا۔

مگر عبد الشمس نے اپنے خدمات اپنے بھائی ہاشم کو دیدیئے جو قریش میں بہت مالدار اور بارعب تھے۔ انہوں نے وہ تمام ٹیکس قریش سے وصول کرنا شروع کیے جو قصئے نے حاجیوں کی امداد کے واسطے اُن پر لگائے تھے۔ پھر حاجیوں کی خبر گیری کی خدمت کو بڑی فیاضی سیر چشمی اور دریا دلی سے ادا کیا۔ اور ہر سال دو تجارتی قافلے باہر کو روانہ کرنے کی تجویز کی:۔ ایک موسم سرما میں یمن کی طرف اور دوسرا موسم گرما میں شام کی جانب۔ اُن کی وفات پر سقایۃ اور رفادۃ کی خدمت اُن کے بھائی مطلب کو ملی، اُن کے انتقال پر یہ خدمت حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے پاس آئی جب انہوں نے بھی وفات پائی تو اُن کے بیٹے زبیر کے سپرد ہوئی مگر اُن سے یہ کام نہ چل سکا تو انہوں نے اپنے بھائی ابو طالب بن عبدالمطلب کو یہ خدمت سپرد کر دی:۔

پہلا حصہ

تاریخ پیدایش سے پچیس برس کی عمر تک کے حالات

حضور سرور کائنات کی پیدایش کے زمانہ میں عرب کی حالت اور کفر و شرک کی کیفیت مختصر طور پر اوپر بیان کی گئی ہے۔ حضرتؐ کی پیدایش کے وقت شریف مکہ یا شریف کعبہ کا موروثی عہدہ آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے پاس تھا اور تمام شہر حضرت عبدالمطلب کے رعب سے متاثر تھا۔

آنحضرت کے والد حضرت عبداللہ ابن حضرت عبدالمطلب نے چوبیس سال کی عمر میں حضرت آمنہ بنت وہب سے شادی کی۔ ابھی حضرتؐ بطن مادر میں تھے کہ حضرت عبداللہ کو ایک تجارتی

قافلہ کے ساتھ ملک شام کا سفر پیش آیا اور واپسی کے وقت مدینہ میں بیمار ہو کر رحلت کی۔ اور واقعۂ فیل سے ڈیڑھ مہینے بعد بقول بعض بارہویں ربیع الاول مطابق انیسویں اگست سنہ ۵۷۰ء کو حضرتؐ پیدا ہوئے۔

اس وقت حضرت عبدالمطلب کو ایک طرف اپنے فرزند (حضرت عبداللہ) کے انتقال اور اپنے پوتے کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جانے کے رنج، اور دوسری جانب پوتے کی پیدائش سے گھر میں ایک نئی روشنی کی مسرت افزا جلوہ گری سے زندگی کی دو حالتوں میں ایک خاص کشمکش کا ہونا لازمی تھا۔ مگر فرزانہ اور تجربہ کار بزرگ نے محسوس کر لیا کہ اب اپنے فرزند کے رنج سے کوئی فائدہ نہیں، اس لئے جہاں تک ممکن ہو پوتے کی نسبت خوش دلی سے اظہار مسرت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مولود مسعود کے پیدا ہوتے ہی اُن کے دل میں ایک غیر معمولی محبت کا جوش پیدا ہوا اور انہوں نے ہونہار بچہ کو اپنی گود میں اٹھا کر شکر الٰہی کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف پورا کیا۔ بچہ سات دن کا ہوا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے تمام قبیلہ (قریش) کی دعوت کی اور سب کے سامنے مولود مسعود کا نام محمدؐ رکھا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت آمنہ خاتون نے ایک الہامی فرمان کے موافق احمد کے نام سے موسوم کیا بہر حال یہ دونوں نام خدا کی حمد و یکتائی کا اظہار کرتے ہیں۔

اُس زمانہ میں عرب کے خوش فضا و بات کی تندرست عورتیں ذی شروت

لوگوں کے بچوں کو اپنا دودھ پلانے اور وہاں کی عمدہ ہوا میں پرورش
کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جاتی تھیں اور وہ بچے اُن کے آغوشِ
عاطفت میں عمدہ طور سے پرورش پاتے تھے۔ آج کل یورپ کی بعض
بڑی بڑی شائستہ اور مہذب سلطنتوں نے شیرخوار بچوں کی پرورش
کے لئے علاحدہ مکان بنوانے اور تندرست انائیں رکھنے کا بندوبست
کیا ہے، جہاں خاص طور سے وہ بچے رہتے اور پرورش پاتے ہیں
لیکن عرب کی اِس عام حالت سے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ المختصر
حضرت آمنہ خاتون نے اپنے ہونہار فرزند کو چند روز دودھ پلایا۔
اِس کے بعد قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے سپرد کیا۔
حلیمہ معصوم بچہ کو اپنے گھر لے گئی اور عمدہ طور سے پرورش
کرنے لگی۔ مولود بچہ اِس قسم کا خوش رو اور خوش خو بچہ تھا کہ اُس
کو دیکھ کر حلیمہ کا دل ایک حقیقی ماں سے زیادہ اِس کو پیار کرتا تھا
وہ ایک لمحہ کو اُس کا رونا یا بےچین ہونا گوارا نہ کرتی تھی، اور اپنی گود
میں ایک نورانی ستارہ کو دیکھتی اور اُس کی ہر بات میں ایک پوشیدہ
روشنی معائنہ کرکے حیران ہوتی تھی۔ حلیمہ قاعدہ کے موافق چھٹویں
مہینے بچہ کو اِس کی ماں حضرت آمنہ خاتون اور دادا حضرت عبدالمطلب
کے دکھانے اور اُن کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے مکہ میں لایا کرتی
تھی۔ دو برس کے بعد بچہ کا دودھ چھوڑایا گیا۔ لیکن بزرگ دادا اور
عقلمند ماں نے بچہ کو تندرست اور حلیمہ دائی کے رکھ رکھاؤ کو قابل

قدر پا کر بچہ کو اُسی کے پاس رہنے دیا، اس لئے بچہ نے چار برس کی عمر تک حلیمہ کے گھر میں پرورش پائی۔

جب مولود کی عمر چھ سال کی ہوئی تو حضرت آمنہ خاتون کو مدینہ کا سفر پیش آیا اور اپنے فرزند کو لے کر روانہ ہوئیں۔ مدینہ سے واپس آتے وقت موضع ابوا میں حضرت آمنہ خاتون نے رحلت فرمائی۔ اس طور سے باپ اور ماں دونوں کا سایہ مولود کے سر سے اُٹھ گیا۔

اس عبرت انگیز حالت میں اشفاق مجسم دادا (حضرت عبدالمطلب) نے اپنے یتیم پوتے کی پرورش پر توجہ مزید مبذول فرمائی۔ ہنوز پوتے کو آٹھواں سال پورا نہ ہوا تھا کہ حضرت عبدالمطلب نے بھی انتقال فرمایا۔

حضرت عبدالمطلب کے بعد ہونہار لڑکے کے چچا حضرت ابوطالب اپنے بھتیجے کی پرورش کے کفیل ہوئے اور اس کام میں اپنی پوری طاقت صرف کرنا شروع فرمائی۔ اب خدا کے فضل اور اپنے طبعی جذبات سے یہ آٹھ برس کا بچہ ایک حکیم پایا جانے لگا اور اُس کے طرز عمل سے محاسن اخلاق کی ایک نئی روشنی پرتو فگن نظر آئی۔ اس کو ایک بچہ یا لڑکا کہنا اُس کی موجودہ عظمت اور غیر معمولی حالت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے میں آیندہ آپ یا حضرت کے لقب سے یاد کرونگا۔

آپ کی عادت تھی کہ آپ سب کے ساتھ فراخور درجہ حسن اخلاق کا اظہار فرماتے، بات کرنے پر خاموشی کو ترجیح دیتے اور

بات کرتے تو ایسی جو نکتہ، حکمت ہوتی۔ آپ نے اسی عمر سے نواح مکہ کے پہاڑ، ٹیلے، ریت سے بھرے ہوئے میدان اور سنسان بیابانوں میں قانون فطرت کا مطالعہ شروع کیا اور ایک ایک ذرے، ایک ایک پتے میں اسرار قدرت کا مشاہدہ فرمایا۔ قدرت کی ان گوناگوں صنعتوں سے ایک قادر مطلق اور صانع برحق کا پتہ لگانے میں آپ سعی بلیغ کو کام میں لائے اور چونکہ ایسے عظیم بالشان صحیفہ فطرت کے مطالعہ کے بعد اس کے معنوی حقایق میں غور و خوض کرنے کے لئے ایک خلوت خاص کی ضرورت تھی اس لئے آپ نے اس ضرورت کے پورا کرنے کے لئے غار حرا کو مخصوص فرمایا۔ اکثر اس غار میں تشریف لے جاتے، وہیں خدا کی عبادت فرماتے اور وہیں غور و خوض میں دل لگاتے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت کی مشرک قومیں اس قسم کی موحدانہ عبادت کو اچھی آنکھوں نہ دیکھتی تھیں۔

جب حضرتؐ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو آپ کے چچا حضرت ابوطالب کو شام کا سفر پیش آیا اور حضرت ابوطالب آپؐ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ جب بصرہ میں پہنچے تو وہاں بحیرہ نامی راہب نے آپؐ کو دیکھ کر اور آپ کی لاثانی فصاحت و شیریں کلامی سے متاثر ہو کر آپؐ کے قیافہ کو غور سے دیکھا، اور حضرت ابوطالب سے کہا کہ یہ لڑکا عرب سے بت پرستی کا نام مٹا دے گا اور خدا

کا برگزیدہ رسول ہوگا، جس کے آنے کی مسیحؑ ابن مریمؑ نے خبر دی ہے۔ اس کو یہودیوں کی شقاوت سے بچائے رکھنا۔ حضرت ابو طالب نے بحیرہ راہب کے یہ خیالات سُن کر اپنے بھتیجے کی حفاظت میں اور زیادہ اہتمام کیا۔

حضرتؐ کو اس سفر سے بہت فائدہ پہنچا۔ زراعت، تجارت، صنعت، حرفت وغیرہ کے نئے نئے نمونے دیکھنے میں آئے اور مناظر قدرت نے اور زیادہ آپ کے دل میں جگہ پائی۔ اس مجموعی دیکھ بھال سے خدائے برتر کی عظیم الشان قدرت کا احساس شروع ہوا اور حضرتؐ کی نگاہ میں ایک ایک ذرہ ایک ایک قطرہ ایک ایک پتّا نیرنجات قدرت کا ایک آئینہ بن گیا۔

سفر سے واپسی کے تھوڑے زمانہ بعد قبیلۂ قریش اور قبیلۂ بنی ہوازن میں لڑائی ٹھن گئی۔ یہ لڑائی عرب کی تاریخوں میں "حرب الفجار" کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت حضرت کی عمر پندرہ سال کے اندر تھی۔ آپؐ ان میں سے دو لڑائیوں میں شریک ہوئے، حضرت ابو طالب آپ کے ساتھ رہے۔

اس کے بعد پچیس برس تک کی عمر صحائف آفرینش کے مطالعہ اور قانون قدرت کے غور میں گذری اور کبھی یمن وغیرہ میں تبقریب سوداگری جانے آنے کا اتفاق ہوا۔ ان سفروں میں آنے جانے اور آپس کی معاملت میں راستی اور

صداقت کا برتاؤ کرنے سے آپؐ کے اوصاف و اخلاقِ حسنہ کا ذکر بطور ایک خاص نمونہ و مثال کے ہونے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کو ''امین'' اور ''صادق'' کے خطابوں سے مخاطب کیا گیا، اور مکہ میں آپؐ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ نے شہرت حاصل کی۔

ان دنوں مکہ میں حضرت خدیجہ نہایت مالدار تھیں اور اُن کے خاوند کا انتقال ہو چکا تھا، جس سے اُنہیں ایک دیانت دار معتمد کی خاص ضرورت تھی اُنہوں نے حضرتؐ کی صداقت اور امانت کی تعریف سن کر حضرتؐ کو اپنے کاروبار کا مختار بنایا۔ حضرتؐ اپنے چچا حضرت ابوطالب کے مشورہ سے اُنکا مال تجارت لے کر یمن کو تشریف لے گئے وہاں سے معقول منافع حاصل کرکے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ کو ہر چیز کا صحیح حساب سمجھایا۔

جب حضرت خدیجہ نے حضرتؐ کی صداقت اور امانت کا یہ حال دیکھا تو آپکے ساتھ نکاح کی آرزو ہوئی۔ حضرتؐ نے نہایت خوش دلی اور شکر گذاری سے اِس کو منظور فرمایا اور حضرت خدیجہ آپؐ کی بی بی بن گئیں اسوقت حضرتؐ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اِس موقع کیلئے حضرت یوسف اور حضرت زلیخا کی مثال بہت ٹھیک ہے۔ حضرت خدیجہ نے اِس تقریب کی خوشی میں تمام قبیلۂ قریش کی

دوسرا حصّہ

حضرت خدیجہ کی شادی کے بعد سے ہجرت تک

حضرت⁽ص⁾ نے حضرت خدیجہ خاتون کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد حُسن معاشرت کا بہترین نمونہ ظاہر فرمایا' آپ حضرت خدیجہ خاتون سے بہت محبت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ خاتون بھی حضرت⁽ص⁾ کے حُسن معاشرت سے خاص دلچسپی رکھتی تھیں۔ حضرت⁽ص⁾ کی توجہ جس جانب دیکھتیں اس کو آپ کی مرضی کے موافق کرنے پر آمادہ ہوتیں۔ اسی طرح حضرت کو حضرت خدیجہ خاتون کی دلجوئی کا خیال تھا۔ حضرت خدیجہ خاتون حضرت⁽ص⁾ کے اہل قرابت کے ساتھ خاص طور پر حسن سلوک سے پیش آتیں اور حضرت⁽ص⁾ کے تمام تعلقات کا خیال رکھتیں۔ چنانچہ جب حضرت⁽ص⁾

کی دائی حلیمہ کو اس شادی کی خبر پہنچی تو وہ اظہار تہنیت کے لئے مکہ میں آئیں۔ حضرت خدیجہ خاتون نے اُن کو نہایت خوش دلی سے مہمان رکھا اور چلتے وقت اپنے گلہ سے چالیس بھیڑیں اُنکو دیں۔

حضرتؐ کے زمانہ نکاح میں حضرت خدیجہ خاتون کے بطن سے رقیہ ام کلثوم اور فاطمہ پیدا ہوئیں اور ایک فرزند "قاسم" نے عالم شیر خوارگی میں انتقال کیا۔ اپکے دو فرزند طیب و طاہر اور تھے ان سب میں جناب سیدہ فاطمہ زہرا نے بعد نبوت پیدا ہونیکے باعث ممتاز درجہ پایا اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے بیاہی گئیں۔

حضرتؐ کو حضرت خدیجہ خاتون کے ساتھ اُن کی آخری دم تک محبت رہی اور اُن کی زندگی میں اُن کے سوا اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپؐ حضرت خدیجہ خاتون کی رحلت کے بعد بھی اُنکو محبت سے یاد فرماتے تھے۔

جب حضرتؐ کو حضرت خدیجہ خاتون کے ساتھ شادی کے بعد ایک طرح کی اطمینانی حالت میں رہ کر مکہ کی گذشتہ اور موجودہ حالت پر غور کرنے کا موقع ملا تو آپ اس کی بہتری کی جانب متوجہ ہوئے پہلے مکہ کی چار دیواری کے اندر کسی کو جنگ و جدال کی اجازت نہ تھی لیکن بعد میں یہ بات جاتی رہی تھی۔ حضرتؐ نے پھر اُس دستور کو از سر نو زندہ کرنے کی تدبیر کی اور اپنی بیدار مغزی اور دانشمندی سے عرب کے دوسرے قبیلوں کو اِس باب میں متفق کر کے پھر اس

عہد و پیمان کی تجدید کی، اس کے بعد اکثر معاملات آپ کی رائے پر
فیصل ہونے لگے۔ بعد چندے عثمان بن حارث جو عیسائی ہو گیا تھا
اس بات پر آمادہ ہوا کہ مکہ میں یونان والوں کا دخل کرا دے مگر
حضرتؐ نے اپنی تدابیر صائب سے مکہ کو یونانیوں کی دستبرد سے
بچا لیا۔

جب حضرتؐ کا سن شریف پینتیس سال کو پہنچا تو خانۂ کعبہ میں آگ
لگ جانے سے اُس کی عمارت کو از سر نو بنانا تجویز ہوا۔ اسی عرصہ میں
سنگ اسود کے متعلق جھگڑا ہوا۔ جھگڑا اس بات پر تھا کہ کس قبیلہ
کے لوگ اس متبرک پتھر کو اٹھا کر مناسب مقام پر نصب کریں۔ آخر
کار یہ رائے قرار پائی کہ کل جو شخص سب سے پہلے داخل حرم ہو اُس
کی رائے پر فیصلہ کیا جائے اتفاق سے حضرتؐ سب سے پیشتر حرم میں
داخل ہوئے اور سب لوگوں نے آپ کی رائے پر اس معاملہ کو چھوڑ
دیا۔ بعض قبائل کے بہادر وست بقبضہ ہو بیٹھے کہ اگر ذرا بھی ہماری
شان کے خلاف ہوا تو تلوار سے فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرتؐ نے سب
کو مخاطب کر کے نہایت شیریں زبانی سے خانۂ کعبہ کی عظمت اور
اُس کے احترام کا ذکر فرما کر ارشاد کیا کہ اے شرفائے قبایل میرے
نزدیک یہ بات مستحسن ہے کہ ایک چادر بچھا کر اُس پر یہ پتھر رکھا جائے
پھر ہر قبیلہ کا ایک شخص اس چادر کو پکڑ کر اُسکے اٹھانے میں شریک
ہو اور سب کی شرکت سے یہ پتھر اپنے مقام پر پہنچایا جائے۔ اس ارشاد

کا سننا تھا کہ بڑے بڑے عقلائے عرب نے حضرت کی رائے پر نعرہائے تحسین و مرحبا بلند کیے اور سرغنایان قبائل کی شرکت سے ہاتھوں ہاتھ وہ پتھر اپنے مقام پر پہنچا یا گیا۔ اس فیصلہ نے آپؐ کی جودت طبعی کو گھر گھر مشہور کر دیا۔ حضرتؐ کا دل اپنے ملک کی تاریکی اور جہالت کو دیکھ کر نہایت بے چین ہوتا تھا۔ بت پرستی کو دُنیا سے نیست نابود کر دینے کی فکر ہمیشہ رہتی تھی، عورتوں کے حال زار اور لڑکیوں کے زندہ درگور کیے جانے کے واقعات سے آپؐ کے دل کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ آپ اکثر تنہائی میں ہر بات کے دفعیہ کی تدبیریں سوچا کرتے اور ہر سال رمضان کا مہینہ غار حرا میں بسر فرماتے تھے۔ حضرت علیؑ آپؐ کے ساتھ ہوتے۔ اور حضرتؐ کے چچا ابو طالب دشمنوں سے آپؐ کی حفاظت کا انتظام رکھتے۔ حضرتؐ اکثر غیبی آوازیں سُنا کرتے اور رویائے صادقہ دیکھا کرتے۔ ایک روز ایسا معلوم ہوا کہ آپ سے کوئی ہم کلام ہو رہا ہے اور آپ کو آواز دے کر کہتا ہے کہ "پڑھ"، آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا تب خداوند کریم سے وحی آئی کہ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ پڑھ اپنے پروردگار کے نام

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ سے جو خالق ہے، جس نے

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ جمے ہوئے لہو سے انسان

الَّذِي عَلَّمَ الْإِنْسَانَ ۝ (جیسی پُر حکمت مخلوق)

(حاشیہ: اقرء الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم)

مَالَمْ يَعْلَمْ ۝
پیدا کی۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام جو بہت کرم کرنیوالا ہے جسنے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا آدمی کو وہ باتیں سکھائیں جو نہ جانتا تھا

یہ پہلی وحی تھی جو حضرتؐ پر ۶۱۰ء میں نازل ہوئی۔ وحی آنے کے بعد آپؐ حضرت خدیجہ خاتون کے پاس تشریف لے گئے اور اُن محترمہ سے یہ ماجرا بیان فرمایا۔ حضرت خدیجہ خاتون نے کہا بیشک آپ خدا کے رسول ہیں۔ میں خدا کی وحدانیت کے ساتھ آپ کی رسالت پر ایمان لاتی ہوں اور صدق دل سے مسلمان ہوگئیں۔ حضرت علیؑ جنہوں نے آغوش رسول میں پرورش پائی تھی۔ ظاہری طور پر سہ شنبہ کے روز آں حضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت جناب امیرؑ کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔

بعثت سے تیسرے سال جب حضرتؐ کی عمر تتالیس برس کی ہوئی تو آپؐ نے علی الروس الاشہاد دعوت اسلام پر زور دیا اور ایک روز اپنے تمام رشتہ داروں اور قبیلہ و عشیرہ کے لوگوں کو اپنے گھر پر مدعو فرماکر اپنی رسالت کا منشاء و مقصد ظاہر فرمایا۔ اس کو کسی نے بے پروائی سے سُنا اور کسی نے ٹھٹھے میں اُڑا دیا صرف ایک حضرت علیؑ نے آپ کے ساتھ دینے کا اقرار فرمایا پھر سب اپنے اپنے گھر واپس گئے یہ معاملہ قرآن شریف کی آیت وانذر عشیرتک الاقربین پارہ ۱۹

سورۂ شعرا (آیت ۲۲۴) کے متعلق ہے۔

حضرتؐ پر اُنکے بیہودہ برتاؤ کا کچھ اثر نہیں ہوا اور آپ نے تائید ایزدی کے بھروسہ پر رسالت کا کام زور شور سے شروع فرمایا۔ مخالفین نے بہت چاہا کہ حضرت ابوطالب اپنے بھتیجے کا ساتھ چھوڑدیں لیکن اُنہوں نے کہا کہ جب تک میری جان باقی ہے میں اپنے بھتیجے کی اعانت اور حفاظت سے دست بردار نہونگا۔

قصہ مختصر جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابوطالب کا دل کسی طرح اپنے بھتیجے سے نہیں ہٹتا اور وہ ہمارا کہنا نہیں مانتے تو اُنہوں نے آپس میں مشورہ کرکے یہ تدبیر سوچی کہ حضرتؐ کو ہر طرح کا لالچ دے کر اُن کے بیان کیے ہوئے ارادوں سے باز رکھا جائے اور ایک فصیح البیان شخص کو اپنا وکیل بناکر خدمت اقدس میں بھیجا۔ وہ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قریش کی جانب سے یہ پیغام دیا کہ آپ ہمارے معبودوں (بتوں) کی تضحیک کیوں کرتے ہیں؟ اگر آپ کی غرض مال و دولت جمع کرنے سے ہے تو ہم آپ کو ایک خزانہ جمع کیے دیتے ہیں اور اگر آپ کو سردار و پیشوا بننے کی خواہش ہے تو ہم سب آپ کو اپنا سردار و پیشوا قبول کیے لیتے ہیں۔

اس کے جواب میں حضرتؐ نے فرمایا کہ فرمان الٰہی کے موافق اپنی رسالت کا حق ادا کرونگا۔ مجھ کو اپنے لئے خزانہ وغیرہ کچھ درکار نہیں۔ تم بت پرستی سے باز آکر خدائے واحد کو سزاوار عبادت جانو

قریش کے قاصد نے جب واپس آکر ان الفاظ کو بیان کیا تو
سب کے دلوں میں جہل و شرارت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ سب
نے حضرتؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے کا عزم کرلیا اور
خاص خاص لوگ حضرتؐ کی جان لینے پر آمادہ ہوگئے۔ جو لوگ
حضرت کے وعظ و تلقین سے مسلمان ہوئے تھے اور ہر طرح کی
جان نثاری پر کمربستہ رہتے تھے اُن کو طرح طرح کی ایذائیں دینے
کا سامان کیا گیا۔ حقیقی چچا ابو لہب حضرتؐ کا دُشمن بن گیا اور حقیقی
چچی آپؐ کے خون کی پیاسی پائی جانے لگی۔ حضرت جس مقام پر قرآن
شریف کی آیتیں سُناتے اور وعظ فرمانے کو کھڑے ہوتے وہاں کے
لوگ شور و غل مچانا شروع کرتے اور کہتے کوئی اس دیوانے کی بات
نہ سنو (نعوذ باللہ) وہ لوگ آپؐ کو اینٹ پتھر مارتے اور خاک، کوڑا
کرکٹ آپؐ کے جسم مطہر پر پھینکتے۔ آپ ان سب شدائد کو برداشت
فرماتے اور اپنی رسالت کا فرض ادا کئے جاتے۔ اسی طرح جو لوگ
ایمان لائے تھے اُن کے ساتھ نہایت سخت بیرحمی کا برتاؤ کیا جاتا
کسی کو دھوپ میں کھڑا کیا جاتا کسی کے سینے پر بھاری پتھر کی سل
رکھی جاتی، کسی کو مار پیٹ کی تکلیف پہنچائی جاتی۔

جب حضرتؐ نے اپنی فرماں بردار جماعت کی تکلیفوں کا یہ حال
دیکھا تو آپؐ سے اُن کا حال زار دیکھا نہ گیا اور ایک گروہ کو جمع کرکے
ہدایت فرمائی کہ تم یہاں سے نکل کر تھوڑے زمانہ کے لئے مُلک

حبش میں جا رہو۔ چنانچہ حضرتؐ کے ارشاد کے موافق چند قبیلوں کے لوگ مع اپنے اہل و عیال کے مُلک حبش کو روانہ ہو گئے۔ اور آں حضرتؐ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ ابن ابوطالبؑ کو بطور ہادی اور سردار کے اُن کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ اس قافلہ کے بعد اور لوگوں نے بھی ترک وطن اختیار کیا۔ یہ واقعات حضورؐ کی بعثت سے پانچویں سال (۶۱۵ء) کے ہیں۔

جب قریش کو ان لوگوں کے جانے کا حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے وہاں تک غریب الوطن مسلمانوں کا تعاقب کیا اور نجاشی بادشاہ حبش۔ سے درخواست کی کہ یہ ہماری رعایا اور بھاگے ہوئے غلام ہیں ان کو ہمارے سپرد کیا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں کے سردار حضرت جعفرؓ کو طلب کر کے دریافت حال کیا۔ اور حضرت جعفرؓ نے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت فصیح لہجہ میں یہ تقریر فرمائی:-

> اے بادشاہ! ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے تاریک غار میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، شراب پیتے تھے، فحش باتوں سے ہم کو عار نہ تھا۔ ایسی حالت میں خداوند تعالیٰ نے محمد مصطفےٰؐ کو عام ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور وہؐ اللہ کا یہ پیام لے کر ہمارے پاس آئے کہ صرف ایک

خدا پر ایمان رکھو، بتوں کی پرستش نہ کرو۔ صداقت
امانت، پرہیزگاری اور عبادت سے کام رکھو۔
غریبوں کے کام آؤ، لاچاروں کی مدد کرو۔ اے
بادشاہ! یہ اس رسولؐ کی تعلیم ہے اور ہم اسؐ پر ایمان
لائے ہیں۔ اس ایمان لانے پر ہمیں وہ وہ ایذائیں
دی گئیں ہیں کہ ہم نے گھر بار چھوڑ کر اپنے بی بی
بچوں کے ساتھ اس ملک میں پناہ لی ہے۔ اب
ہم خود کو تیرے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔

نجاشی کے دل پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا اور اس نے سفیران قریش سے کہہ دیا کہ یہ مظلوم مسلمان تمہارے حوالہ نہیں کیے جا سکتے آخر کار وہ لوگ ناکام رخصت ہوئے اور مسلمانوں نے نجاشی کا شکریہ ادا کیا۔

تارک الوطن مسلمانوں کو تو پاؤں جمانے اور اطمینان سے رہنے کا ٹھکانا مل گیا لیکن حضرتؐ اور آپؐ کے ساتھ جو چند مسلمان باقی رہ گئے تھے اُن کے ساتھ مخالفین کی شورش روز بروز ترقی کرتی گئی۔ اسی حالت میں حضرتؐ کے سچے ہمدرد اور مددگار چچا حضرت ابوطالبؑ اور حضرت کی رفیق اور تنہائی کی ہمدم بی بی حضرت خدیجہ خاتون نے رحلت فرمائی۔ نبوت کی دسویں سال حضرت کو یہ دونوں دل بٹھا دینے والے واقعے پیش آئے با ایں ہمہ حضرتؐ تائید ایزدی

کے بھروسہ پر پوری سرگرمی سے اپنے فرائض ادا فرماتے رہے لیکن جب قریش نے آپؐ کو اور زیادہ تکلیف دینا اور تنگ کرنا شروع کیا تو حضرتؐ طائف کو تشریف لے گئے۔ مگر وہاں کے لوگوں نے غیر معمولی شرارتوں کا اظہار کیا۔ حضرتؐ کو پتھر مارے جس سے آپؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ آخر کار حضرت پھر مکہ واپس تشریف لائے اور ہر قسم کے مصائب برداشت فرماتے رہے۔

ایک روز حضرتؐ معمولی طور سے وعظ فرما رہے تھے کہ مدینہ کے چند شرفا آپؐ کا وعظ سننے کے لئے ٹھہر گئے۔ حضرتؐ نے ان کے دلوں پر قرآن کی آیتوں اور اپنی ہدایتوں کا خاص اثر ڈالا، اور وہ حضرتؐ کی معجز بیانی سے آپؐ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ جب اُنہوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت کے حالات بیان کئے تو وہاں کے اور لوگ بھی زیارت کے مشتاق ہوئے، اور مکہ میں آکر اسلام قبول کیا۔ اس طرح مدینہ میں مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا

سنہ۲۲ء تک جب کہ قریش کسی طرح مسلمانوں کو تکلیف دینے سے باز نہ آئے تو نبوت کی تیرھویں سال حضرتؐ نے مکہ سے مدینہ کا عزم فرمایا اور چند ہی روز میں سب مسلمانوں کو دو دو چار چار کرکے مدینہ پہنچا دیا۔ ان مہاجرین کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ اس وقت قریش نے نہایت پرجوش طریق سے دار الندوہ (مکان جلسہ قومی) میں ایک جلسہ کیا، جس میں قریش مکہ کے علاوہ قرب

و جوار کے تمام قبیلوں کے سردار جمع ہوئے اور بعد اظہار جوش و خروش اس بات پر فیصلہ ہوا کہ آنحضرت ص کو قتل کر ڈالنا چاہیئے مگر پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر کوئی ایک شخص قتل کرے گا تو شاید حضرت کا خاندان بدلہ لے، اس لئے ابو جہل نے یہ تجویز پیش کی بہت سے آدمی مل کر ایک ہی دفعہ حضرت ص کے خنجر ماریں تاکہ قتل کا الزام کسی ایک شخص پر نہ آئے۔

آخر کار رات ہوتے ہی قریش نے آن حضرت ص پر نظر بندی کا انتظام کر لیا حضرت ص کو بھی اطلاع ہوئی اور آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر چھوڑا۔ آپ ص پر جس کا جتنا قرض تھا یا جس کی جو امانت رکھی تھی وہ چپ چاپ حضرت علیؑ کے سپرد کی اور اپنے جان نثار بھائی کو خدا کے سپرد کر کے حضرت گھر سے مکہ سے باہر نکلے۔ اور صبح ہوتے ہوتے ایک غار میں چھپ رہے۔ صبح کو جب قریش کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ص کے بجائے حضرت علیؑ آپ کے بستر پر آرام فرما رہے ہیں تو نہایت طیش سے دانت پیسنے لگے۔ لیکن کسی نے حضرت علیؑ سے کچھ تعرض نہ کیا۔ چند اشخاص حضرت کے تعاقب میں اس غار تک گئے لیکن اُن کو وہاں کچھ کھٹکا نہ ہوا اور غار کے منہ پر مکڑی کا جالا وغیرہ دیکھ کر اس کے اندر جانے سے باز رہے۔

تین دن کے بعد حضرت اُس غار سے نکلے اور بمشکل دو

اونٹ کرایہ کرکے وہاں سے روانہ ہوئے۔ بعد طے منازل مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں جس کا نام قُبا ہے قیام فرمایا اور ۱۲ ربیع الاول روز جمعہ مطابق ۲ جولائی ۶۲۲ء کو مدینہ میں حضرتؐ کا داخلہ ہوا۔ آپ اونٹنی پر تشریف لے جارہے تھے، ہر شخص چاہتا تھا کہ میرے مکان پر قیام فرمائیں مگر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اونٹنی جہاں بیٹھ رہے وہیں میرا قیام ہوگا۔ اتفاق سے وہ اونٹنی ایک غریب شخص کے دروازہ پر بیٹھ گئی، جن کا نام حضرت ایوب انصاری تھا، اور جو آگے چل کر تاریخ اسلام کے ایک نامور ہیرو بن گئے۔ حضرت نے وہیں قیام فرمایا۔

تیسرا حصّہ

مہاجرین و انصار میں اخوت۔ مسجد نبوی کی تعمیر مدینہ والوں سے عہد و پیمان۔ یہود و قریش کی عداوت قریش کا حملہ بدر کی لڑائی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مہاجرین انصار میں ایسی سچی محبت اور اخوت پیدا کر دی جو اس وقت کی خصوصیات میں سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے خدا کی عبادت کے لئے ایک مسجد بنانے کی تجویز فرمائی اور مناسب مقام پر زمین خرید کر تعمیر کا کام شروع فرمایا۔ سب مسلمان ملکر

کام کرتے اور خود حضرتؐ بھی اُن کے شریک ہوتے۔ یہ مسجد صرف گارے اور کچی اینٹوں سے بنائی گئی اور کھجور کے پتوں سے اُس پر سایہ کیا گیا۔ سب مسلمان اس میں طاعت پروردگار کے لئے جمع ہوتے۔ بعد چندے اِس مسجد میں ممبر رکھا گیا۔

حضرتؐ کے مواعظ حسنہ نے رفتہ رفتہ قبولیت عام کا درجہ حاصل کیا۔ اس پر عبداللہ ابن اُبی نے جسے مدینہ کی سرداری کی اُمید تھی قریش مکہ سے خط و کتابت شروع کی۔ جب قریش کو معلوم ہوا کہ مدینہ میں مسلمانوں نے خاص طاقت پیدا کر لی ہے تو رشک حسد سے بوکھلا گئے۔ اور مدینہ پر یورش کرنے کی فکر کرنے لگے۔

مسلمانوں کو اس یورش کی خبر رجب ۲ھ میں معلوم ہوئی وہ بھی لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو بیٹھے۔ مکہ والے ابھی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ قریش کا ایک قافلہ ابو سفیان کی ماتحتی میں شام سے مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس لشکر کے روکنے کے لئے تین سو تیرہ مسلمان ہتھیار باندھ کر آگے بڑھے۔ لیکن مقابلہ سے پہلے ابوسفیان اپنے لشکر سمیت مکہ پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ ابوجہل ایک ہزار جوان لے کر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا ہے۔ ابوسفیان نے اُسے واپس بُلایا مگر اُس نے واپس جانا قبول نہ کیا۔ بدر میں جہاں نیک دل، بے قصور مگر بہادر مسلمان خیمے لگائے پڑے تھے لڑائی شروع ہوئی۔ لڑائی اِس قدر شدید تھی کہ حضرتؐ نے درگاہ

ایزدی میں مسلمانوں کی تائید کے لئے دُعا فرمائی۔

غرض قریش کے مبارز طلب کرنے پر پہلے عتبہ، شیبہ اور ولید مقابلہ کی غرض سے جنگ میں آئے مگر ان کو غیر کفو قرار دے کر دوسرے مبارز طلب کئے۔ اِس پر آں حضرتؐ نے حضرت حمزہ، حضرت علیؑ اور ابو عبیدہ کو میدان میں جانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ اور حضرت حمزہ نے تو اپنے حریفوں کو فوراً قتل کر ڈالا مگر ابو عبیدہ اور عتبہ نے ایک دوسرے کو زخمی کیا۔ اِس پر حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے جھپٹ کر عتبہ کا کام تمام کر ڈالا۔ اُسکے بعد جنگ عام ہو گئی اور حضرت علیؑ کے ہاتھ سے سب سے زیادہ کافر قتل ہوئے۔

لڑائی کے خاتمہ پر ستر آدمی قتل اور اسی قدر قید ہو کر آئے قیدیوں میں سے دو قتل کئے گئے، بعض سے تاوان لیا گیا اور بعض مسلمانوں کی حراست میں سپرد کئے گئے۔ آں حضرتؐ نے مسلمانوں سے سخت تاکید فرمائی تھی کہ اِن کے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کیا جائے۔ چنانچہ جب اِن قیدیوں نے رہائی پائی تو مکہ میں آکر مسلمانوں کی رحم دلی کے تذکرے کرنا شروع کئے۔ اُنھوں نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی بیان کیا کہ مسلمان کیسے رحم دل لوگ ہیں جو ہم سے برادرانہ پیش آئے اور ہم کو ہر طرح آرام سے رکھا۔

خود پیادہ چلتے تھے ہمیں سواری دیتے تھے خود معمولی
کھانا کھاتے تھے ہمیں اچھا کھانا دیتے تھے
مگر مخالفین نے اب بھی ان باتوں
کو دلچسپی سے نہ سُنا اور مسلمانوں
کے خلاف تیاریاں
کرتے رہے ۔

چوتھا حصّہ

قریش کی مدینہ پر یورش، تائیدِ ایزدی۔ مکرر حملہ۔ احد کی لڑائی

بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے فتحیاب ہونے سے اُن کا حوصلہ
اور زیادہ بڑھ گیا، اور خدائے واحد پر اُن کے یقین اور حضرتؐ
کی رسالت پر اُن کے ایمان میں زیادہ ترقی ہوگئی۔ لیکن
قریش کو بھی اِس شکست کی ندامت نے انتقام لینے پر اور زیادہ
اُبھار دیا۔ ابو سُفیان اُس شکست کے بعد روپوش رہنے لگا

اُس کی جورو ہندہ رات دن اُسے شرمناک طعنے دیتی۔ اُس کی خواہش تھی کہ اپنے باپ چچا اور بھائی کے قاتلوں کو قتل ہوتا ہوا دیکھے۔

اِس ندامت سے ابوسفیان نے پھر ایک لشکر جمع کیا۔ اِس لشکر کی تعداد تین ہزار بتائی جاتی ہے۔ جب اِس تیاری کی خبر حضرتؐ کو پہنچی تو آپؐ نے اپنی جان نثار جماعت سے مشورہ فرمایا اور سات سو مسلمان مقابلہ کو تیار پائے گئے۔ خدا پرستوں اور حضرتؐ کے جان نثاروں کی اِس مختصر فوج نے اُحد کی پہاڑی پر جو مدینہ سے چھ میل ہے اپنا کیمپ قایم کیا۔ ادھر قریش کا لشکر بھی آ پہنچا اور پہاڑی کے مقابلہ میں اپنے خیمے نصب کئے جو دور تک پھیلے ہوئے تھے حضرتؐ نے اپنے سات سو جوانوں کو ترتیب سے صف بستہ کیا اور تیر اندازوں کو ایک خاص مقام پر قایم کر کے ضروری ہدایت فرمائی اور تمام فوج کو حکم دیا کہ تم میں سے کوئی شخص آگے نہ بڑھے اور نہ تمہاری طرف سے جنگ شروع کیجائے۔

مختصر یہ کہ قریش نے بڑے زور شور سے حملہ کیا اور مسلمانوں نے نہایت بہادری سے اُن کے وار روکے۔ مسلمانوں کی فتح قریب تھی کہ تیر اندازوں نے اپنی صف توڑ دی اور لوٹ میں مصروف ہوگئے۔ قریش نے یہ حال دیکھ کر مسلمانوں کو دو طرف سے گھیر لیا اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور

حضرتؐ کے چہرۂ اقدس پر ایک پتھر لگا جس سے آپ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ جب لڑائی موقوف ہوئی تو ہندہ میدان جنگ میں آئے اور حضرت حمزہؓ کی لاش تلاش کر کے اُن کا پیٹ چاک کیا اور کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا۔

اس جنگ کے متعلق بخاری باب المغازی میں ہے کہ جس وقت ابو سعد بن طلحہ کفار کا علم بردار میدان جنگ میں آیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تم میں سے کون میرے مقابلہ کو آتا ہے تو حضرت علیؑ میدان میں آئے اور اس کو قتل فرمایا۔ اور آٹھ نامور علم بردار یکے بعد دیگرے حضرت شیر خدا کے ہاتھ سے مارے گئے یہ دیکھ کر کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اب مسلمانوں کی فتح قریب تھی کہ بعض مسلمان لوٹ میں مصروف ہو گئے یہ حالت دیکھ کر کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور بہادران اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ حضرتؐ بھی زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر پڑے۔ وہاں سے آپؐ کو پہاڑی پر چڑھا لے گئے۔ یہاں حضرت علیؑ نے اپنی ڈھال میں پانی بھر کر زخموں پر ڈالا اور حضرت فاطمہؑ نے بورئیے کا ٹکڑا جلا کر اُس کی راکھ زخموں پر باندھی۔ اس لڑائی میں حضرت علیؑ کے سولہ زخم آئے تھے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد ایک سال تک صلح کی ٹھیری۔

اسی سال قبیلہ بنی عمیر اور بنی سلیم نے ستر مسلمانوں کو دغا

سے قتل کر ڈالا اور قرب و جوار کے کتنے قبیلے برگشتہ نظر آنے لگے۔ نیز مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی ترقی اور مسلمانوں پر رشک تھا۔ انھوں نے ایک تدبیر سوچی کہ حضرتؐ کو دعوت کے بہانہ سے طلب کر کے آپ کا کام تمام کر دیا جائے چنانچہ حضرتؐ مقام دعوت تک پہنچ گئے لیکن حافظ حقیقی نے آپؐ کو اس راز سے آگاہ فرما دیا اور حضرت بخیر و عافیت اپنے گھر واپس تشریف لے آئے۔

بعد میں مسلمانوں نے یہودیوں سے اس شرارت کا بدلہ لینا چاہا اور ایک جرار فوج تیار کی۔ یہودی تاب مقابلہ نہ لا کر بعض ملک شام کی طرف چلے گئے اور بعض نے قلعۂ خیبر میں جا کر پناہ لی۔ ان کا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

بنو مصطلق کا سر اُٹھانا۔ اُنکی شکست۔ عبداللہ بن ابی کی سرکشی۔ قریش کی مدینہ پر چڑھائی۔ خندق کی لڑائی قریش کی شکست

مسلمانوں کے مصائب کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا کہ اُس پر یہ اور اضافہ ہوا کہ قبیلہ بنی مصطلق اُن کی بربادی پر آمادہ ہو بیٹھا اِس قبیلہ کے سردار حارث نے ایک معقول جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھائی کا سامان کر دیا مسلمانوں کو عین وقت پر اس کی خبر ہو گئی اور حضرتؐ نے بہ نفس نفیس مع اپنے جان نثار مجاہدین کے راستہ میں اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

حارث مسلمانوں کے مقابلہ سے عاجز ہو گیا، اُس کی جمعیت کے دل چھوٹ گئے اور حارث نے شکست پائی۔ مسلمانوں نے اُس کے دو سو آدمی قید کر لئے، اور پانچ ہزار بھیڑیں اور ایک ہزار اونٹ غنیمت میں اُن کے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد حارث اور اُس کے قبیلہ والوں نے حضور سرور کائنات کی راست بازی اور مسلمانوں کے حسن اخلاق پر غور کیا تو وہ مع اپنے ساتھیوں کے سچے دل سے اسلام پر ایمان لے آیا۔

ہنوز مسلمان مدینہ میں یہودیوں کی شرارت سے تکلیف اُٹھا رہے تھے اور مکہ میں ابو سفیان لشکر کشی کی تیاریاں کر رہا تھا کہ بدر کا ایک سال ختم ہونے پر مسلمانوں پر فوج کشی کی جائے۔ اس خیال کے متعلق اُس نے تمام قبائل عرب کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا اور یہودی بھی اُس کے ساتھ مل گئے تھے چنانچہ سال ختم ہوتے ہی ابو سفیان دس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مسلمانوں نے ابو سفیان کی فوج کشی کی خبر پائی تو مدینہ کی عام حفاظت کے لئے چاروں طرف خندق کھودی۔ یہ سخت کام جان نثار جماعت اور جفاکش مسلمانوں نے اپنے ہاتھ سے انجام دیا، یہانتک خود آنحضرت بھی بہ نفس نفیس اس کام میں شریک ہوئے۔ اس وقت تمام مدینہ کے مسلمانوں کی جماعت تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

خدا خدا کر کے یہ خندق تیار ہوئی اور ابو سفیان کا لشکر بھی قریب مدینہ آپہنچا۔ مسلمانوں نے خندق کے اس کنارے نہایت مضبوطی سے اپنے بکٹ قایم کر دیئے اور سب کے سب دشمن کے مقابلہ کو آمادہ ہو بیٹھے۔ ابو سفیان نے اپنی جمیعت کے ساتھ مدینہ پر دھاوا کیا لیکن خندق پر پہونچ کر رکنا پڑا۔ دشمنوں نے مسلمانوں کی طرف تیر برسانا شروع کیے۔ مسلمانوں نے بھی تیروں سے جواب دیا۔ تیر اندازی کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہنے کے بعد قریش کے چند مخصوص جوان جن میں عکرمہ بن ابو جہل اور عمر ابن عبدو بھی تھے خندق کو پھاند کر اندر آ گئے۔

عمر ابن عبدو بڑا نامی پہلوان اور عرب کا مشہور دل چلا بہادر تھا۔ اس نے مسلمانوں کی طرف دیکھ کر یہ آواز بلند کی کہ تم میں سے کون میرے مقابلہ کو آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ ابن ابی طالب آگے بڑھے۔ عمر ابن عبدو نے کئی وار کیے جو خالی گئے۔ آخر کو حضرت علیؑ نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر کے نعرہ تکبیر بلند فرمایا۔ اب لڑائی عام طور سے ہونے لگی یہاں تک کہ قریش کی جمعیت نے پسپا ہو کر بھاگنا شروع کیا۔ اس بھاگڑ میں نوفل ابن عبد اللہ کا گھوڑا خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے اس پر پتھر پھینکے اور اس کے یہ کہنے پر کہ ایسا کرنا بہادری نہیں حضرت علیؑ نے خندق میں کود کر اس کا سر کاٹ لیا۔ عکرمہ بن ابو جہل بھی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے زخمی

ہو کر بھاگ گیا۔

ابھی جنگ کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ قبیلہ بنو قریظہ اور قریش میں اسباب مخالفت پیدا ہو گئے۔ اس لئے قریش کا عزم اور بھی ڈھیلا پڑ گیا۔ اب خدا کی قدرت سے مسلمانوں کے بچ جانے کا ایک نیا سامان دیکھئے! وہ یہ کہ ایک روز بڑے زور سے آندھی آئی اور ایسی شدید بارش ہوئی کہ قریش کے خیمے اکھڑ گئے۔ اس کے سوا مسلمانوں کی استقلال اور جوانمردی نے ابو سفیان اور اس کی فوج کو مرعوب کر دیا۔ لاچار اس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا اور خود ایک سانڈنی پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں کو اس فتح عظیم سے بڑی ناموری حاصل ہوئی اور عام قلوب پر ان کی دھاک بیٹھ گئی۔

مکہ والوں کے دل ابو سفیان کی اس شکست سے ٹوٹ گئے۔
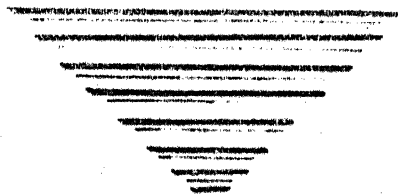
حج کا شوق۔ مکہ والوں کے ساتھ عہد بادشاہوں کے پاس سفارتوں کا جانا۔ خیبر پر چڑھائی۔ آخری حج۔ روما پر فوج کشی۔ فتح مکہ۔

آداب قدیمہ کے موافق خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور آداب خاص بجا لانے کے لئے آں حضرتؐ اور غریب الوطن مہاجرین کا اشتیاق روز افزوں تھا اس لئے مدینہ سے مہاجرین اور انصار کا ایک قافلہ آنحضرتؐ کے ہمراہ مکہ جانے کے لئے تیار ہوا

اور سب کے سب بے ہتیار روانہ ہوئے۔ اِس سفر کا مقصد ایک فرض مذہبی تھا۔ مگر جب قریش نے اِن کے آنے کی خبر پائی تو ایک بڑی فوج لے کر راستہ روک دیا، تاکہ کوئی مسلمان مکہ میں گھسنے نہ پائے۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو ایک قاصد قریش کے پاس روانہ کیا لیکن قریش نے اُس کی کوئی بات نہ مانی اور یہہ فیصلہ کیا کہ جو مسلمان خانۂ کعبہ کی طرف قدم بڑہائے اُس کا سر کاٹ لیا جائے گا۔ بعض شریروں نے اور آگے بڑہ کر آنحضرت ؐ کی طرف پتھر پھینکے اور تیر چلائے۔ یہ حال دیکھ کر مسلمانوں کو بھی غصہ آگیا اور وہ چند قریش کو پکڑ کر حضرت ؐ کے سامنے لے گئے۔ حضرت اُن کے ساتھ نہایت کشادہ پیشانی سے پیش آئے اور اُنہیں یقین دلایا کہ ہمارا آنا کسی جنگ و پیکار کی نیت سے نہیں ہے۔

آخر ایک بڑی گفت و شنید کے بعد طرفین میں چند شرائط پر ایک صلح قرار پائی۔ شرائط یہ ہیں۔

(۱)۔ دس برس تک کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے۔

(۲) اگر کوئی قریش اپنے سردار کے خلاف آنحضرت ؐ کے پاس چلا جائے تو وہ قریش کے حوالہ کیا جائے۔

(۳)۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آجائے تو وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے۔

(۴)۔ عرب کے دوسرے قبائل جس کی طرف چاہیں شریک ہوں

(۵) اب مسلمان آگے نہ بڑھیں، واپس چلے جائیں۔ سال آیندہ انکو طواف کعبہ کے لیئے تین روز کی اجازت ہے مگر مکہ میں بے ہتیار آنا ہوگا۔

یہ صلح نامہ حدیبیہ کے مقام پر حضرت علیؑ کے ہاتھ سے لکھا گیا۔ اور مسلمان مدینہ واپس آگئے۔

آں حضرتؐ کو اپنی صداقت اور مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کوئی خیال مانع نہ تھا۔ آپ جیسے ایک غریب آدمی کو ہدایت فرماتے اور اُس کو توحید کا راستہ بتاتے ویسے ہی بڑے بڑے بادشاہوں اور شاہنشاہوں کو اپنے منشار رسالت سے آگاہ فرماتے چنانچہ حضرتؐ نے اِس سال نزدیک و دور کے کتنے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور اپنے سفیر روانہ فرمائے اِن میں چار بادشاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں!

۱۔ شاہ ایران
۲۔ قیصر روم (شاہ قسطنطنیہ)
۳۔ شاہ حبش
۴۔ شاہ بنی غسان

اور جو فرمان اِن بادشاہوں کے پاس بھیجے گئے اُن کا اجمالی خاکا یہ ہے۔

یہ خط محمد کی طرف سے ہے، جو اللہ کا بندہ اور

اس کا رسول ہے' فلاں بادشاہ کے نام یہ معلوم
ہو کہ جس نے توحید الٰہی کے دین کو اپنا شعار
بنایا وہ ہمیشہ کی سلامتی میں آیا' اس لئے میں
تمہیں اس دین (اسلام) کی طرف بلاتا ہوں۔
اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے تو دین و دنیا کی
سلامتی پاؤ گے۔ فقط

کہتے ہیں کہ شاہ ایران نے حضورؐ کے خط کو دیکھ کر پھاڑ ڈالا'
قیصر روم نے سفارت کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور شاہ حبش نہ صرف
مسلمان ہوا بلکہ اصطبل خاص سے "دُلدل" نام کا ایک گھوڑا اور
"بریرہ" نام کی ایک کنیز بطور نذر کے آنحضرت کی پیش کش کے لئے
سفارت کے ساتھ کر دی۔ لیکن شاہ بنی غسان نے سفارت
کے ساتھ نہایت بے ادبانہ سلوک کیا اور اسی پر قناعت نہیں
کی بلکہ سفیر کو قتل کر دیا۔

مدینہ کے یہودی ابتدا سے مسلمانوں کے خلاف چلے آتے تھے
مسلمان اُن سے تنگ آ گئے تھے اس لئے اُنھوں نے یہودیوں
کے بعض شورہ پشت قبائل کو جلاوطن کر دیا۔ اُن کی ایک بڑی
بستی مدینہ سے چند منزل گوشۂ شمال و مشرق کی طرف خیبر کے
نام سے مشہور تھی۔ وہاں کے یہودیوں نے اُن کو اپنے سایہ
میں پناہ دی خیبر کے علاقہ میں قلعہ "قموص" بہت مضبوط قلعہ

تھا۔ جو یہودیوں نے اپنی حفاظت کے لئے بنا رکھا تھا۔ جب مدینہ کے بھاگے ہوئے یہودی اُن سے جا ملے تو ان سب نے متفقہ طاقت سے کام لینا چاہا اور بعض قبائل عرب کو بھی اپنا شریک حال کر لیا۔ اور یہ سب مدینہ پر ایک نہایت سخت حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔

مسلمانوں کو اس تیاری کی خبر مل گئی، اُنھوں نے دشمن کو لشکر کشی کا موقع دینا مناسب نہ جانا اور قبل اس کے کہ وہ اپنا ساز و سامان درست کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں ابتدائے محرم ۷ھ میں آں حضرتؐ نے چودہ سو مسلمانوں کی جمعیت سے خیبر پر چڑھائی کی۔ اور طرفین سے معمولی جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی خدا داد طاقت سے قلعۂ خیبر کا دروازہ اکھاڑ کر بطور پل کے رکھ دیا مرحب جو یہودیوں کا نامی پہلوان اور قلعہ دار تھا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور یہ قلعہ (القاموس) مع دوسرے قلاع ملحقہ کے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلمانوں کی اس نمایاں فتح سے یہودیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ حضرتؐ سے معافی مانگنے پر آمادہ ہوئے۔ حضرتؐ نے اُن کی ملکیت، اراضی اور کل جائداد غیر منقولہ اس شرط پر اُن کو واپس دی کہ آیندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف سر نہ اٹھائیں گے۔ اپنے مذہب پر پوری آزادی کے ساتھ قایم رہیں۔

اسی سال آں حضرتؐ مع جماعت اسلام پھر عازم مکہ ہوئے
اور مکہ میں داخل ہو کر عہدنامہ مذکورہ بالا کے موافق تین روز میں
خانہ کعبہ کے متعلق تمام فرائض حسب آداب مذہب ادا فرمائے
اس کے بعد حضرتؐ نے عام قریش کی ضیافت کرنا چاہی لیکن انہوں
نے منظور نہ کی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ عہدنامہ کے مطابق تین
دن گذر چکے اب سب مسلمان مکہ خالی کردیں۔ چنانچہ حضرتؐ
مع تمام مسلمانوں کے مکہ سے باہر تشریف لے جاکر جنگل میں خیمہ
زن ہوئے۔ لیکن حضرت کے کریمانہ اخلاق اور عام مسلمانوں
کے مخلصانہ برتاؤ سے قریش کے دلوں پر بے انتہا اثر ہوا اسلئے
اُن میں سے بہتیرے اسی وقت مسلمان ہوگئے۔
شاہ بنی غسان نے سفیر اسلام کو قتل کردیا تھا، جس سے
ظاہر ہے کہ حضرتؐ کے دل کو کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا۔ عام مسلمان
اسی وقت اس شقاوت کا بدلہ لینے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے
اب تین ہزار مسلمانوں کی فوج اس کام کے لئے روانہ کی گئی
یہ بادشاہ عیسائی اور شاہ قسطنطنیہ کا باج گذار تھا۔ اس لئے
ہرقل نے قبیلہ بنی غسان کی مدد کے لئے ایک جرار فوج روانہ
کی۔ شہر موتہ کے قریب جنگ ہوئی اور میدان پُرجوش مسلمانوں
کے ہاتھ رہا۔
قبیلہ بنی خزاعہ اور قبیلہ بنی بکر میں اتفاق سے کسی بات

پر لڑائی ہو گئی بنی خزاعہ مسلمانوں کے دوست تھے مگر مسلمانوں
نے قریش کے خلاف اُن کو مدد دینے سے انکار کر دیا ' کیوں کہ
یہ بات عہد کے خلاف تھی۔ لیکن قریش نے علانیہ بنی بکر کو مدد
پہنچائی بلکہ سرداران قریش میں سے بعض تو مسلمانوں کے خلاف
لڑائی میں شریک ہوئے۔ قریش مکہ نے لڑائی میں یہاں تک زیادتی
کی کہ لڑتے لڑتے حرم محترم کے اندر گھس گئے اور بیس مسلمانوں کو
شہید کر ڈالا۔

یہ کارروائی شرائط صلح نامہ کے بالکل خلاف تھی۔ حضرت
ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرم محترم کی اس قدر عزت ہوتی چلی آئی
تھی کہ اگر کوئی شخص خون کر کے حرم کے حدود میں آجاتا تو کسی
کی مجال نہ تھی جو اُسے گرفتار کرے ' چہ جائیکہ اس مقدس مکان
میں انسان کا خون بہایا جائے۔ آنحضرتؐ کو قریش کی عہد شکنی
اور ایسے صریح مظالم سے بہت رنج ہوا اور بنی خزاعہ پر رحم
آیا۔ قریش سے بدلہ لینے کی تیاریاں شروع ہوئیں اور آنحضرتؐ
نے دس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مکہ کو کوچ فرمایا اس موقع
پر توریت کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں پہلے نبیوں نے
حضرت موسیٰؑ ' حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کے آنے کی خبر دی
تھی۔ چنانچہ کتاب استثنا باب ۳۳ میں مرقوم ہے!

"خداوند سینا سے آیا ' شعیر سے اُن پر طلوع ہوا

اور فاراں کی چوٹیوں سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار
قدوسی اِس کے ساتھ ہیں۔ اِس کے دہنے ہاتھ میں
آتشی شریعت ہے"۔

اِس پیشین گوئی میں کوہ سینا سے آنیوالے حضرت موسےٰ شعیر
سے طلوع ہونے والے حضرت عیسےٰ اور فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر
ہونیوالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مسلمانوں کا یہ لشکر بلا مزاحمت منزلیں طے کرتا ہوا مکہ کے قریب
آپہنچا۔ قریش نے مقابلہ کی تیاریاں کی تھیں لیکن اب عرب میں
مسلمانوں کے مقابلہ کا عزم جوش کی صورت میں ظاہر نہ ہوتا تھا۔
دوسری صبح کو لشکر اسلام بعد ادائے فریضہ صبح شہر کی طرف بڑھا۔
آنحضرت صلعم اونٹنی پر سوار تشریف لائے اور نہایت نرم لہجہ میں بلند
آواز سے سورۂ انا فتحنا پڑھتے جاتے تھے۔ آپؐ کے دہنے بائیں مہاجرین
انصار کے ذی وجاہت اصحاب نہایت فروتنی سے ہم رکاب تھے
اِس شان و سطوت نے دیکھنے والوں کو حیران بنا یا تھا۔ غرض
مسلمانوں کی فوجیں مکہ میں داخل ہوگئیں۔ عامۂ قریش کو تو اُن
سے مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہوئی البتہ عکرمہ بن ابوجہل نے دغا
و شرارت سے اپنی فوج کا ایک دستہ کمین گاہ میں پوشیدہ کردیا
اُس کے حملہ سے دو مسلمان سپاہی مارے گئے اور قریش کے اٹھائیس
آدمی ہلاک ہوئے۔

حضرتؐ نے اسی حالت میں اونٹنی پر سوار خانہ کعبہ کا طواف کیا اسکے بعد اسکے اندر داخل ہو کر بت توڑنا شروع کیے۔ آپکے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جیسے "حق آیا اور جھوٹ گیا" فرما کر بت کے سر پر مارتے تھے بت اوندھے منھ نیچے گر پڑتا تھا تمام بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ بیان کی گئی ہے۔ سب سے بڑا بت ہبل نام کا تھا یہ اتنی اونچی جگہ رکھا ہوا تھا کہ وہاں تک حضرت کے ہاتھ کی چھڑی نہ پہنچ سکی۔ اسپر آپنے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھوں پر سوار فرمایا اور جناب امیرؑ نے اُس بت کو نیچے گرا دیا۔ ان بتوں کے علاوہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر دوسرے دیوتاؤں کی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ حضرت نے اُن سب کو مٹوا کر تمام خانہ کعبہ کو پانی سے دھلوا ڈالا۔

اسکے بعد آنحضرتؐ شہر کیطرف متوجہ ہوئے۔ تمام شہر کے عورت و مرد لرز رہے تھے کہ اب شہر کی خیر نہیں۔ اس خبر کو سنکر حضرتؐ نے منادی کرادی کہ کوئی مسلمان مکہ والوں پر تلوار نہ اٹھائے اور مکہ کا کوئی آدمی شہر چھوڑ کر نہ جائے۔ آج لڑائی اور بدلے کا دن نہیں ہے آج رحمت اور شفقت کا دن ہے میں تمہارا دشمن ہو کر نہیں آیا ہوں اور نہ مجھے تم سے کسی قسم کا بدلہ لینا منظور ہے۔ میں تم سے ہر طرح کا نیک سلوک کرونگا۔"

یہ منظر دیکھنے کے لایق تھا کہ حضرت کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے فرمان رحمت صادر فرما رہے تھے اور اہل مکہ چاروں طرف سے آکر اسلام اختیار کرتے جاتے تھے۔ یہانتک کہ تھوڑی دیر میں تمام قریش بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔

اسی اثنا میں قبیلہ بنی ہوازن اور بنی ثقیف نے ایک بڑی جمعیت کی

ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تیاری کی۔ مسلمانوں نے اُن کے قصد پر مطلع ہو کر اُنکا راستہ روکنے کیلئے فوج روانہ کی حُنین کے مقام پر لڑائی ہوئی اور دُشمنوں نے شکست پائی بنی ثقیف اپنے شہر طائف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگے اور بنی ہوازن کا تعاقب کیا گیا مسلمانوں نے انکے قلعہ پر قبضہ کر کے طائف کا رُخ کیا۔ چند روز کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کرلی اور قلعہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ اہل طائف کے بت توڑ دیئے گئے۔ انہیں ایک بڑا بت "لات" کے نام سے موسوم تھا اہل طائف کو اُنکے مذہب پر چھوڑ دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ حنین میں بارہ ہزار مسلمان اور چار ہزار کفار تھے مگر خدا کی قدرت سے پہلے مسلمانوں کو شکست ہوئی یہانتک کہ کل آٹھ آدمی آنحضرتؐ کیساتھ رہگئے۔ جب مسلمانوں نے حضرت علیؑ کو بہرتی کیساتھ لڑتے دیکھا تو واپس آئے

جب جنگ کا خاتمہ ہو گیا تو بنی ہوازن کے چند عمائد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے عیال واطفال جو گرفتار ہو کر حلقہ غلامی میں آگئے ہیں اُنہیں رہائی بخشی جائے۔ حضرتؐ نے اُنسے ظہر کے وقت مسجد میں آنے کیلئے ارشاد فرمایا اور جب وہ آگئے تو آپؐ نے اپنے اور اپنے قبیلہ کے لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا اس کی تقلید مسلمانوں نے کی جسکے باعث کم و بیش چھ ہزار غیر مسلم عورت مرد قید غلامی سے آزاد ہو گئے اس فیاضی نے ان دونوں قبیلوں پر ایسا اثر کیا کہ وہ سب کے سب بُت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔

زاں بعد حضرت صلعم نے مدینہ کو مراجعت فرمائی۔

ساتواں حصہ

۹ھ سے حضرت کی وفات تک

اہل مکہ کا اسلام قبول کرنا تھا کہ چاروں طرف سے قبائل عرب کے غول حضرتؐ کی خدمت میں قبول اسلام کیلئے حاضر ہونے لگے۔ جو قبائل دور دراز مقامات پر رہتے تھے انہوں نے اپنی سفارتیں روانہ کیں اور اُن کے واسطے سے اسلام قبول کرنا چاہا۔ اس سال اتنی بہت سفارتیں آئیں کہ تاریخ اسلام میں اس سال کا نام "سال وفود" رکھا گیا۔ آنحضرتؐ سفرائے قبائل کی نہایت عزت کرتے اور اُن کی ساتھ نہایت کشادہ دلی سے پیش آتے۔ جب یہ لوگ اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے وطن کو واپس جاتے تو ایک ایک پیش نماز اور واعظ اونکے ہمراہ کر دیا جاتا" جو انہیں عملی طور پر فرائض اسلام کا پابند بناتا۔

سب سے آخری مہم جس میں حضرتؐ کو بہ نفس نفیس شریک ہونا پڑا "جنگ تبوک" تھی۔ ان دنوں عرب میں سخت قحط پڑا۔ یہہ حال معلوم کرکے سلطنت روما نے عرب پر یورش کا موقع پایا اور چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرتؐ نے اس قصد سے مطلع ہوکر خیال فرمایا کہ ایسے دشمن کو ملک کے اندر گھس آنے کا موقع دینا مناسب نہیں۔ اس لئے تیس ہزار مسلمانوں کی جمیعت آمادہ مدافعت ہوئی مگر اہل روما نے ارادہ یورش ملتوی کر دیا اور لشکر اسلام بیس روز تک وہاں رہ کر مدینہ کو واپس ہوا۔

قبیلہ طے نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور ملک میں فساد پھیلانے پر آمادہ تھا۔ حضرتؐ نے حضرت علیؓ کی سرداری میں ایک فوج روانہ فرمائی۔ اس فوج کے وہاں پہنچتے ہی عدی بن حاتم طائی شام کو بھاگ گیا۔ حضرت علیؓ نے اسکے مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے لوگوں کو گرفتار کرکے مدینہ میں لے آئے۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی لڑکی بھی تھی۔ آنحضرتؐ نے اُسکی رہائی کا حکم دیا اور دوسروں کی نسبت بغاوت کی سزائیں تجویز فرمائیں۔ مگر اس نیک نہاد لڑکی نے عرض کی کہ اگر میرے قبیلے کے دوسرے لوگ غلام بنا کر رکھے جائیں تو مجھے لونڈی بن کر رہنا منظور ہے اور اگر اُن کا قتل منظور ہے تو سب سے پہلے میں اپنا گلا پیش کرتی ہوں۔ اس لڑکی کے پراثر بیان نے جو اثر پیدا کیا تھا وہ

تمام قبیلے کے کٹ مرنے سے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اس لڑکی کو شاباش کہکر تمام قبیلے کی جان بخشی منظور فرمائی۔ اس معافی نے اس سے بڑھکر یہ تاثیر پیدا کی کہ جتنے لوگ پکڑے آئے تھے وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اب ایام حج قریب آرہے تھے اسلئے آنحضرت صلعم نے حضرت علی ع کو سورہ براۃ دیکر روانہ فرمایا۔ حضرت علی ع نے حج کے موقع پر پہنچکر اُس فرمان کی اشاعت فرمائی، جسکا ماحصل یہ تھا کہ آیندہ سال سے بت پرست نہ آنے پائیں۔ گذشتہ عہد و پیمان کے پورا ہونیکی میعاد مقرر ہوئی اور اصول اسلام کیموافق سب باتوں کا پورا کرنا لازم کیا گیا۔ اس فرمان کا اثر یہ ہوا کہ اگلے سال کے اختتام تک تمام قبائل عرب مسلمان ہو گئے اور چاروں طرف اسلام کی آواز گونجنے لگی۔ سنہ ۱۰ھ شروع ہوتے پر حضرت صلعم نے خاص طور سے تمام قبائل عرب کے پاس فرائض اسلام کی عملی تعلیم دینے اور نیک کاموں کی ہدایت کرنیکے لئے نقیب روانہ فرمائے اور کتنے بادشاہوں کے پاس اسلام قبول کرنیکے لئے باثر سفارتیں بھیجیں بعض بادشاہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضور میں اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور ضروری ہدایتیں حاصل کرنے کیلئے سفیر روانہ کئے۔ یمن میں حضرت علی ع مرتضےٰ نے آنحضرت صلعم کا فرمان اہل یمن کو سُنایا اور قبیلہ نجران کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

الغرض حضرت صلعم کی اس موید من اللہ رسالت کا یہ اثر ہوا کہ جو ملک

سیکڑوں ہزاروں برس سے کفر، شرک، بت پرستی، ستارہ پرستی اور اوہام باطلہ میں مبتلا ہو رہا تھا، جس ملک میں مردوں کی فسق و فجور، عورتوں کی فحش، چوری، شراب خوری، لوٹ مار اور دغا بازی کی حد نہ تھی، عورتوں کے حقوق پامال ہو رہے تھے، لونڈی غلاموں کیساتھ بھیڑ بکریوں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا اور لڑکیاں زندہ درگور کیجاتی تھیں وہاں چند سالوں میں حضرت نے توحید کی نئی روح پھونکدی اور شریعت اسلام نے مسلمانوں کو وہ تعلیم دی جو تمام دنیا میں قابل قدر نگاہوں سے دیکھی گئی دوسری قوموں کے ساتھ برتاؤ کے وہ قواعد مقرر کئے گئے جن سے بہتر ممکن نہیں اب تک کوئی قوم دوسری قوم کیساتھ ایسی کشادہ دلی ظاہر کرتی ہوئی نہیں پائی جاتی۔

اسلام کی فلاسفی پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں اور تیرہ سو برس کا تجربہ شاہد ہے کہ اسلام کے صحیح قانون کو ہاتھ میں لیکر ایک فقیر سے لیکر بادشاہ تک اپنے اور پرائے ملک میں کس سلامتی اور کیسے عام پسند برتاؤ سے رہ سکتا ہے۔

جب حضرت صلعم کی تبلیغ رسالت سے عرب کی یہ کایا پلٹ ہو چکی اور دور دور کے ملکوں تک اسلام کا اثر پھیلنا شروع ہوا تو حضرت صلعم اپنے آخری فرائض پورے کرنیکو آمادہ ہوئے اور الوداعی حج ادا کرنے کا قصد فرمایا پچیسویں ذیقعدہ کو حضرت اپنے جان نثار قافلہ کیساتھ مکہ کو روانہ ہوئے جب مکہ میں پہنچے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار خدا پرست میدان عرفات میں نہایت عاجزی سے سر نگے کئے، مسکینوں کی وضع بنائے حضرت صلعم کیساتھ حاضر تھے آنحضرت نے جبل عرفات پر کھڑے ہو کر سب مسلمانوں سے جو ارشاد فرمایا اسکا ماحصل یہ ہے

"اے گروہ مسلمین! شاید میں اگلے سال تم لوگوں میں نہ ہونگا۔ اب جو کچھ کہتا ہوں اسکو کان لگا کر سنو اور دلسے اسپر متوجہ ہو۔ خدا کے گھر کی عزت کرتے رہو، فرائض حج میں

قصور نہو قیامت کے دن تم سب کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہوگا، اسوقت تمہارے اعمال کی جانچ ہوگی۔ دیکھو ہمیشہ نیکیوں کا خیال رکھنا، برائیوں سے باز آنا، عورتوں کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہ کرنا، غلاموں کو وہ آسائش دینا جو تم اپنے آپ کو دیتے ہو۔ اگر اُنسے کوئی خطا ہو جائے تو درگذر کرنا سب مسلمان آپسمیں بھائی بھائی ہیں کوئی ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کرے"

اِس کے بعد نماز حج ادا فرمائی اور مکہ والوں کو اپنا آخری زیارت سے مشرف فرماکر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے۔ واپسی میں خم غدیر پر ایک بڑی مجمع کے سامنے فرمایا "میں جسکا مولا ہوں علی بھی اُسکا مولا ہے"

اب سالہ ھ شروع ہوا۔ حضرت کی عمر قریب تریسٹھ سال کے ہوئی۔ آپ پانچوں وقت کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے۔ اِس میں حضرتؐ کو تپ محرقہ لاحق ہوئی۔ اِس حالت میں بھی آپؐ نماز پڑھانے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی حضرت کی تیمارداری جناب سیدہؑ اور حضرت علیؑ کے سپرد تھی، یہانتک کہ آنحضرتؐ نے ۲۸۔ صفر سے لے کر ۱۲ ربیع الاول سالہ ھ کے درمیان کسی تاریخ کو رحلت فرمائی۔ رحلت کے بعد حضرت علیؑ نے غسل دیا اور آپؑ ہی نے دفن وکفن کا سامان فرمایا۔ اِس کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جسکی تفصیل کے لئے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے۔

درِ شاہوار

یہ کتاب علم ادب کی بہترین کتابوں میں شمار کی ہے اور مشاہیر زمانہ نے اسے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جو لوگ چاہتے ہوں کہ اخلاق وادب میں اُنہیں کوئی بہتر رہنما ملے وہ اِس کتاب کو دیکھیں۔ اِس کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ ۱۹۱۱ء کے آخر میں مطبع سے آئی اور اُس سنہ کے ختم ہوتے ہوتے کشمیر سے لیکر راس کماری اور پشاور سے لے کر کلکتہ تک کوئی تعلیم یافتہ گھر ایسا نہ بچا جس میں درِ شاہوار نہ پہنچی ہو۔ یہی نہیں بلکہ چینی ترکستان اور مشہد مقدس (ایران) تک سے فرمائشیں آئی ہیں۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً میرے پتہ پر ایک کارڈ لکھیے دوسری اشاعت سے ایک کتاب آپ کو بھی پہنچے گی۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔ بلا جلد آٹھ آنے

سید منظر علی (پھپوند ضلع اٹاوہ)